Al-Qalam القلم

p-ISSN: 2071-8683, e-ISSN: 2707-0077

Volume:27, Issue:2, 2022, pp. 1-14

عقائد سے متعلق آیات کی تفسیر پر سائنسی علوم کے اثرات

Impacts of Scientific Knowledge on exegeses of Aayat related to Faith

Dr. M Lateef Khan
Lecturer, Department of Islamic Studies,
University of Poonch Rawalakot, AJK.
Dr. Abdul Rehman Khan
Assistant Professor, Department of Islamic Studies,
University of Poonch Rawalakot, AJK.
Dr. Sajjad Ahmed
Assistant Professor, Mirpur University of Science &
Technology, Mirpur, Azad Kashmir.

KEYWORDS

Science, Exegeses, Tawheed, Risalat, Takween.

Date of Publication: 26-12-2022

ABSTRACT

Allah has created the whole Universe and declared human beings the best creature. Allah sent his messengers to guide human beings. In his guidance, the base is faith, which contains three basic grounds known as Tawheed, (توحید)Risalat (رسالت), and Aakhirat (آخرت). A large part of the Holy Quran contains Ayaat e Tawheed. In some Verses, Allah guides human beings by giving examples from the Universe. These verses are called Takweeni Verses. In explanation of these Verses the Mufass,ireen used the examples and termonologies of Everyday Science. In this article, we will discuss the impacts of Scientific Knowledge on exegeses of Verses related to Faith. Although Quran is not a book of science but some of His Verses contain the basic concepts of science as well, here a question arises, how far scientific knowledge impacts the exegeses of the Holy Verses? In this article, we will discuss in detail the verses related to Universe only. Though Verses in this regard are so many but we have selected only a few of them.

تمہید

عقائد و ایمانیات دین میں بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان عقائد میں سے بنیادی عقائد توحید، رسالت اور آخرت۔ زیرِ مطالعہ مقالہ میں عقیدہ توحید سے متعلق آیات کی تفسیر پر سائنسی علوم کے اثرات کا جائزہ لیا جارہاہے۔ قرآن مجید سائنسی کی کتاب نہیں ہے لیکن اس میں اس دنیا اور دنیامیں موجود مخلوق سے متعلق مثالیں بیان فرما کر انسان کو سمجھایا گیاہے۔ زیرِ نظر مقالہ میں ربوبیت باری تعالیٰ، کائنات، آسمان، موسمیات اور دن ورات کے بننے میں اللہ کی قدرت کی نشانیوں پر بحث کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی طرف بلانے اور قارئین کے عقائد درست کرنے کے لیے مفسرین عظام نے اپنے اپنے انداز میں دلائل دیئے ہیں۔ قرآن مجید کی آیات میں دی گئی مثالوں اور تکوینی آیات کی سائنسی تفسیر میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف دعوت دی ہے۔ عقائد کے حوالے سے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک جگہ پر لکھتے ہیں کہ بعض لوگ مذہب سے ناواقفیت کی بناپر سائنس کے اثر سے اپنے عقائد تباہ کر دیتے ہیں[1]۔ یہاں مفسر موصوف اس بات کی تفصیل بیان نہیں فرماتے کہ سائنس کے اثر سے عقائد کیسے تباہ ہوتے ہیں؟ حالانکہ ان کی اپنی تفسیر میں سائنسی بیانات کے ذریعے سے عقائد کی درستی کے لیے دلائل دیئے ہوئے ہیں۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ ہو کہ مسلمانوں کی سائنس سے دوری کی وجہ سے اب اسے مشرکین کا علم سمجھا جارہاہے کیونکہ یہ بات مشرکین سے نکاح کی ممانعت والی آیت کی تفسیر میں لکھی ہے۔ علم سائنس مشرکین کی میراث ہے نہ اہل ایمان کی، بلکہ جو کوئی اس علم میں محنت کرے گا اسی کی میراث بن جائے گا۔ جب اہل ایمان نے عروج اندلس اور بغداد کے دور میں سائنس پر محنت کی تب تو سائنس اہل ایمان کی تھی، جب یہ علم اہل ایمان سے نکل کر اہل کتاب اور مشرکین میں چلا گیاتو اسے اہل کتاب اور مشرکین کا علم نہیں کہا جا سکتا۔ ممکن ہے سائنس کی وجہ سے عقائد تباہ کرنے کی بات انھوں نے ڈارونزم کے متاثرین کے لیے لکھی ہو۔

مولاناعبدالحق حقانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفسیر فتح المنان میں کلامی انداز اپنایاہے اور دلائل وبراہین سے تفسیر کو مزین کیاہے۔ کائنات کی ابتدا کے بارے میں دلائل دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کائنات کا حادث ہونا اور عالم نیست سے ہست میں آناتو ایسابدیہی امر ہے کہ جس میں کسی ملحد یا دہریہ کو کچھ بھی شک نہیں۔

جس دہریہ سے بھی اس کی عمر کے بارے میں پوچھاجائے کہ تمھاری کتنی عمر ہے وہ ضرور کوئی عدد یقینی یا تخمینی بیان کرے گا جس کے یہ معنی ہوئے کہ ہم کو موجود ہوئے اتنے برس ہوئے۔ اب اگر اس سے پوچھاجائے کہ کیاوہ خود

بخود پیدا ہو گیا یا کسی نے پیدا کیا؟ اور وہ پیدا کرنے والا ممکن ہے یا واجب؟ یہ تو ظاہر ہے کہ وہ خود بخود پیدا نہیں ہوا ورنہ واجب الوجود ہو جاتا اور ہمیشہ سے پایا جاتا اور پھر معدوم نہ ہوتا کیونکہ جس کا وجود اپنا ہوتا ہے وہ ہمیشہ رہتا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کا پیدا کرنے والا ممکن نہیں ورنہ تسلسل لازم آئے گا اور پھر اس ممکن کے پیدا کرنے والے اور پھر اس کے پیدا کرنے والے میں کلام کیا جائے گا اور یہ سلسلہ کسی واجب الوجود کی طرف منتہی مانا جاوے گا۔ وہ رب ہے جس کا ہر زبان میں ایک جدا نام ہے اور جب وہ خالق ہے تو اس میں علم و قدرت، حیات، ارادہ جیسی عمدہ صفات بھی ہیں خواہ وہ عین ذات ہوں یا غیر خواہ لا عین ولا غیر [2]۔

ربوبیت اور دلائلِ توحید

اللہ تعالیٰ تمام کائنات، کائنات کے اندر اور کائنات سے باہر کی مخلوق کا رب ہے۔ مخلوق کی ہر ضرورت کو سمجھنے اور پورا کرنے والی ذات کو رب کہتے ہیں اور وہ ایک ہی ہو سکتا ہے۔ اگر ایک سے زائد رب ہوتے تو آپس میں جھگڑا کرتے، ہر ایک رب ہر کسی کی ضروریات کو اپنے انداز سے پوری کرنے کی کوشش کرتا تو دوسرا اس کے کام میں رکاوٹ ڈالتا اور یوں کائنات کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ کائنات میں ہر چیز اپنے مخصوص نظام الاوقات کے تحت چل رہی ہے۔ یہ سارا نظام الاوقات درہم برہم ہو جاتا۔ نہ صرف یہ کہ ربوبیت سے ہر ضرورت پوری ہو رہی ہے بلکہ ہر ضرورت کا احساس بھی بخشا۔ اس حوالے سے مولانا امیر محمد اکرم اعوان اپنی تفسیر اسرار التنزیل میں لکھتے ہیں:

> ”ربوبیت کی شان ہے کہ احساس ضرورت اور پھر تکمیل ضرورت کا علم حسب ضرورت ہر صاحب ضرورت کو بخشا۔ قرآن کریم نے ربوبیت جیسی عظیم صفت کو بھی عظمت باری کی دلیل اور اس کے معبود برحق ہونے اور انسان پر عبادت کے ضروری ہونے کی بنیادی دلیل کے طور پر ارشاد فرمایا ہے [3]۔“

مخلوق کو احساس ضرورت اور تکمیل ضرورت کی تعلیم میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا کمال ہے کہ جہاں اشیائے ضرورت مہیا فرمائی ہیں وہاں ہر شے کو احساس ضرورت بخشا اور تکمیل ضرورت کے طریقوں سے بھی آشنا فرما دیا۔ ماؤں کا دودھ پینے والی مخلوق پیدا ہوتے ہیں جان لیتی ہے کہ اس کی غذا ماں کا دودھ ہے اور وہ کہاں ملے گا؟ گائے کا بچھڑا فوراً کھڑا ہوتے ہی پیٹ کے نیچے تھن تلاش کرتا ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تھن سے دودھ کس طرح چوسنا ہے، اسی طرح مچھلی کا بچہ پیدا ہوتے ہی تیرنا شروع کر دیتا ہے حتیٰ کہ ایک چیونٹی تک کو علم ہے کہ اسے کیا کرنا ہے یہی

ہوا جو پھولوں کو خوشبو لیے پھرتی ہے چیونٹی تک دانے کی خوشبو بھی پہنچا رہی ہے اور چیونٹی کو اپنی ضرورت اس کی تکمیل کی صورت کا اس حد تک ہے کہ جو دانہ بل میں لے کر جاتی ہے اسے دو ٹکڑے کر کے رکھتی ہے مبادا زمین کی نمی سے اگ آئے اور اس کی محنت ضائع جائے۔ حتی کہ اگر دھنیا بھی لے کر بل میں رکھے تو اس کے چار ٹکڑے کرتی ہے کیونکہ وہ آدھا بھی اگ آتا ہے۔ مفسر موصوف اسی طرز کی مزید تفصیل بیان فرماتے ہیں اور یہ سب بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں جو اس نے اپنی مخلوق کو عطا فرمائی ہیں۔ مفسر موصوف نے اس قسم کی مثالوں سے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف دعوت دی ہے۔

کائنات سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی پہچان

سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں

کہ پروردگار عالم کی چار مذکورہ صفات میں سے پہلی تین باتیں تو ایسی ہیں کہ ان میں انسان کی سعی و عمل تو کیا خود اس کے وجود کو بھی دخل نہیں۔ بیچارے انسان کا نام و نشان بھی نہ تھا جب زمین اور آسمان پیدا ہو چکے تھے اور بادل اور بارش اپنا کام کر رہے تھے ان کے متعلق تو کسی کو بھی یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہ کام سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی انسان یا بت یا کسی اور مخلوق نے کیے ہوں گے، ہاں زمین سے پھل اور پھلوں سے انسانی غذا نکالنے میں کسی سادہ لوح اور سطحی نظر رکھنے والے کو یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہ انسانی سعی و عمل اور اس کی دانشمندانہ تدبیروں کا نتیجہ ہیں کہ وہ زمین کو نرم کرنے اور پھر بیج ڈالنے اور جمانے میں پھر اس کی تربیت اور حفاظت میں اپنی محنت خرچ کرتا ہے لیکن قرآن کریم نے دوسری آیات میں اس کو بھی صاف کر دیا کہ انسان کی سعی اور محنت کو درخت اگانے یا پھل نکالنے میں قطعاً کوئی دخل نہیں بلکہ اس کی ساری تدبیروں اور محنتوں کا حاصل رکاوٹوں کو دور کرنے سے زیادہ کچھ نہیں یعنی انسان کا کام صرف اتنا ہی ہے کہ پیدا ہونے والے درخت کی راہ سے رکاوٹیں دور کرے۔

مفتی محمد شفیع صاحب اللہ تعالیٰ کی قدرت بیان کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں کہ زمین کا کھودنا، اس میں ہل چلانا، جھاڑ جھنکار دور کرنا، زمین کو نرم کرنا اور اس میں کھاد ڈال کر ذرخیز بنانا کاشتکاروں کا ابتدائی کام ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ بیج یا گٹھلی کے اندر سے جو نازک کونپل قدرت خداوندی سے نکلے زمین کی سختی یا کوئی جھاڑ جھنکاڑ اس کی راہ میں حائل نہ ہو۔ بیج میں سے کونپل نکالنے اور اس میں پھول پتّیاں پیدا کرنے میں کاشتکار کی محنت کا کوئی دخل نہیں، اسی طرح کاشتکار کا دوسرا کام زمین میں بیج ڈالنا پھر اس کی حفاظت کرنا پھر جو کونپل نکلے اس کی سردی گرمی اور جانوروں

سے حفاظت کرنا ہے۔ اب اس کا مقصد یہ ہے کہ قدرت خداوندی سے پیدا ہونے والی کونپلوں کو ضائع ہونے سے بچایا جائے۔

ان سب کاموں کو کسی درخت کے نکلنے یا پھلنے پھولنے میں بجز رفع موانع کے اور کوئی دخل نہیں ہو سکتا۔ پانی سے جمنے والے بیج کی اس سے نکلنے والے درخت کی غذا تیار ہوتی ہے اور اسی سے وہ پھلتا پھولتا ہے۔ لیکن پانی کاشتکار پیدا نہیں کر سکتا۔ کاشتکار کا کام صرف اتنا ہے کہ قدرت کے پیدا کیے ہوئے پانی کو قدرت ہی کے پیدا کیے ہوئے درخت تک ایک مناسب وقت اور مناسب مقدار میں پہنچادے۔ درخت کی پیدائش اور اس کے پھلنے پھولنے میں اول سے آخر تک انسان کی محنت اور تدبیر کا صرف اتنا اثر ہے کہ نکلنے والے درخت کے راستے سے روڑے ہٹادے یا اس کو ضائع ہونے سے بچالے۔ درخت کی پیدائش اس کے بڑھنے، پتے اور شاخیں پھر پھول اور پھل پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے۔ جس طرح زمین اور آسمان کی پیدائش اور برق وباراں کے منظم سلسلہ میں انسانی سعی ومحنت کا کوئی دخل نہیں اسی طرح کھیتی اور درختوں کے پیدا ہونے اور ان سے پھول پھل نکلنے اور ان سے انسان کی غذائیں تیار ہونے میں بھی اس کا دخل صرف برائے نام ہے اور حقیقت میں یہ سب کاروبار صرف حق تعالیٰ کی ایسی چار صفات[4] کا بیان ہے جو سوائے اس کے اور کسی مخلوق میں پائی ہی نہیں جاسکتیں۔

انسان کو عدم سے وجود میں لانا، زمین، آسمان، بارش اور پھل پھول کے ذریعے سے اس کی بقاء وترقی کے سامان مہیا کرنا حق جل شانہ کے علاوہ اور کسی کا کام نہیں تو عبادت واطاعت کے لائق اور مستحق بھی صرف وہی ذات ہے۔ اس سے بڑا کوئی ظلم نہیں کہ انسان کے وجود اور بقاء وارتقاء کے سارے سامان تو اللہ تعالیٰ پیدا کرے اور غافل انسان دوسروں کی چوکھٹ پر سجدہ کرتا پھرے دوسری چیزوں کی بندگی میں مشغول ہو جائے[5] قرآن مجید میں فلکیات کی مثالیں دے کر اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل بیان فرمائے گئے ہیں۔ ان میں سورج، چاند، ستارے، سیارے اور دیگر اجرام شامل ہیں۔ قرآن مجید میں ستاروں کو راستے تلاش کرنے میں معاون بتایا گیا ہے۔

اس بارے میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں:

> ”ستاروں کا فائدہ یہ ہے کہ ان کے ذریعے سے رات کو سمندر میں اور خشکی پر راستہ معلوم کر سکو۔ یہ سب توحید کے دلائل ہیں[6]۔......... اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو اس لیے پیدا فرمایا کہ ان کو دیکھ کر توحید پر استدلال کرو اور منتفع ہو کر منعم کا شکر ادا کرو[7]۔“

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کائنات کی تخلیق کے بارے میں جابجا ارشادات فرمائے تاکہ اس میں غور و فکر کر کے انسان اللہ تعالیٰ کو پہچان دکیں اور ہمیشہ کی نعمتوں کے حق دار ٹھہریں۔ قرآن مجید کے ارشاد کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ہی تمام آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور کائنات کی تخلیق کا مقصد یہ بیان فرمایا کہ انسانوں کو آزمائے کہ عمل کے اعتبار سے کون زیادہ اچھا ہے اور اگر انسانوں سے یہ کہا جائے کہ تمھیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے وہ یہ کہیں گے کہ یہ کھلے جادو کے سوا کچھ نہیں ہے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ سائنسی اعتبار سے تین قسم کی کائنات بیان فرتے ہیں اور اسے ترتیب مرعی فرماتے ہیں۔

ا۔ کائناتِ سفلیات جس میں نباتات اور انفس شامل ہیں۔ نباتات، انفس کے مقابلے میں اظہر جبکہ انفس اَدَقّ ہے۔ یعنی نباتات کے بارے میں سمجھنا آسان ہے کیونکہ وہ سب کے سامنے ہیں جبکہ انفس جسم کے اندرونی نظاموں کے بارے میں ہے اور اس کے بارے میں سمجھنا کافی مشکل ہے۔ آگے اس کی تفصیل بیان فرمادی کہ پہلے نباتات کے اس لیے بیان فرمایا کہ نباتات کے بیج اور اس سے پودے کا بننا ہر عام کے لیے مشاہد ہے جبکہ نطفہ سے متعلق علم خواص کے ساتھ مخصوص ہے۔

۲۔ علویات میں شمس و قمر و نجوم وغیرہ شامل ہیں جن کی مدد سے ماہ و سال کا حساب لگانا آسان ہو جاتا ہے اور راستے بھی معلوم ہوتے ہیں۔

۳۔ کائناتِ جوّمیں لیل و نہار (ظرف زمان) شامل ہے[8]۔ اس کا تعلق اجرام علویات کے ساتھ بھی ہے یہ وقت شمس و قمر کی وجہ سے تبدیلی پاتا ہے اور فضائی مخلوق کے ساتھ بھی۔

آسمان اور اس کے اندر پائے جانے والی نشانیوں پر غور و فکر کر کے انسان اللہ تعالیٰ کو پہچان سکتا ہے لیکن ایسا بہت کم لوگ کرتے ہیں۔ بیان القرآن میں ایسے لوگوں کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ لوگ ان واضح نشانیوں سے اعراض کرتے ہیں اور ان میں تدبر نہیں کرتے کہ ان کا خالق کتنا قادر ہے کہ اس نے اتنی بڑی کائنات میں بغیر کسی سہارے کے اتنے بڑے بڑے اجسام معلق کیے ہوئے ہیں۔ شمس و قمر میں سے ہر ایک اپنے اپنے دائرے میں اس طرح چل رہے ہیں گویا تیر رہے ہیں[9]۔ فلک کی تفسیر کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں کہ فلک گول چیز کو کہتے ہیں۔ شمس و قمر کی حرکت دائروی ہے اس لیے ان کے مدار کو فلک کہا گیا ہے خواہ وہ آسمان یا فضا بین المسائین ہو یا فضا بین الارض و السماء ہو یا ثخن سماء ہو، اس میں کوئی نص قطعی نہیں ہے۔ اس سے آسمان کا مستدیر ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

کشش ثقل

کائنات میں ہر دو اجسام کے درمیان قوت کشش پائی جاتی ہے۔ کشش کی یہ قوت ان اجسام کی کمیتوں کے حاصل ضرب کے راست متناسب اور ان اجسام کے مراکز کے درمیانی فاصلے کے مربع کے بالعکس متناسب ہوتی ہے[10]۔ یعنی یہ دو اجسام جتنے بڑے ہوں گے ان کے درمیان قوت کشش بھی اتنی ہی زیادہ ہو گی۔ چھوٹے اجسام کے درمیان یہ کشش کم ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر ان اجسام کے درمیان فاصلہ کم ہو گا تو ان کے درمیان قوت کشش زیادہ جبکہ فاصلہ زیادہ ہونے کی صورت میں قوت کشش کم ہو گی۔ اجسام کی حرکت اور ان کے درمیان کشش کے بارے میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ شمس و قمر کی حرکت کو ذاتی قرار دیتے ہیں اور آئن سٹائن کے نظریہ اضافت کی تائید میں relative motion کے بارے میں بڑے خوب صورت انداز میں لکھتے ہیں:

> "حرکات مختلفہ ممکن الاجتماع میں تو کوئی اشکال نہیں اور غیر ممکنۃ الاجتماع کا انضباط ایک حرکت کی القطاع سے بھی ہو سکتا ہے اور دوسرے اجسام کی حرکت سے بھی ہو سکتا ہے۔ اجسام علویہ یا سفلیہ کی یہ حرکت کواکب نہ حرکت سماء کو مستلزم ہے نہ اس کی نافی، اگر یہ قول ثابت ہو جائے کہ شمس کی حرکت کسی مدار پر نہیں تو خود اس کی حرکت وضعیہ جو محور پر ہے ایک کرہ متوہمہ پیدا کرتی ہے۔ چاند گو کہ زمین سے چھوٹا ہے مگر پھر بھی اتنا بڑا ہے کہ جب یہ سورج کی سیدھ میں آتا ہے تو سمندر میں جوار بھاٹا کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے[11]۔"

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شمس و قمر کی کشش کے بارے میں اشارہ دیا ہے جس کی وجہ سے سمندر کے اندر مدوجزر یا جوار بھاٹا پیدا ہوتا ہے جس کے بارے میں قدیم و جدید سائنس متفق ہے کہ ساڑھے تین لاکھ کلومیٹر دور سے بھی چاند سمندر کے پانی کو کھینچتا ہے اور یہ پانی ساحل پر اوپر چڑھ آتا ہے۔ امریکہ میں قطرینہ، ریٹا اور دیگر کئی قسم کے سمندری سیلاب بھی آ چکے ہیں۔ زمین سے لاکھوں گنا بڑا سورج اور سورج سے بھی ہزاروں اور لاکھوں گنا بڑے ستارے آسمان میں اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں۔ ان سب کے درمیان باہمی کشش کی قوت موجود ہے مگر اس قوت کے باوجود ایک دوسرے سے ٹکراتے نہیں ہیں۔ صرف اسی حقیقت پر غور کرنے سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی شان نظر آنے لگتی ہے۔ متذکرہ بالا اقتباس میں مفسر موصوف نے سورج، چاند اور کواکب کی حرکت کے لیے ذاتی اور دوسرے اجرام کی حرکت کی وجہ سے دونوں امکانات کا اظہار کیا ہے۔ جدید سائنس کے مطابق

اجرام فلکی کی حرکت دونوں طرح کی یعنی ذاتی بھی ہے اور اضافت والی بھی۔ ہر جرم فلکی اپنے اپنے مدار میں تیر رہا ہے اور یہ تیرنا اپنے سے بڑے جرم کے گرد گھومنے کے انداز میں ہے۔ چاند زمین کے گرد گھوم رہا ہے۔ چاند کی یہ حرکت دو قسم کی ہے۔ ایک قسم میں یہ زمین کی کشش کی وجہ سے زمین کے گرد گھومنے پر مجبور ہے تو دوسری قسم کی حرکت میں یہ زمین کے مدار سے باہر نکلنے کی کوشش میں ہے۔ یہ دونوں کوششیں آپس میں برابر ہونے کی وجہ سے نہ تو یہ زمین سے ٹکرا سکتا ہے اور نہ ہی زمین کے مدار سے باہر نکل پاتا ہے۔ کشش کی قوت کو مرکز مائل قوت جبکہ مدار سے نکل جانے والی قوت کو مرکز گریز قوت کا نام دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی پہچان کے لیے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا اور ساتھ کتب و صحف بھی بھیجے۔ آخری کتاب قرآن مجید میں قیامت تک کے انسانوں کو سمجھانے کے لیے ہر طرح سے دلائل دیئے ہیں۔ جدید سائنسی ذہن کے لیے کائنات میں سے مثالیں دیں اور مفسرین کرام نے عوام کی آسانی کے لیے ان آیات کی مزید تشریح، توضیح اور تفسیر فرمائی۔ ان مفسرین میں سے ایک نمایاں نام حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی ہے۔ ایک آیت[12] کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ زمین کی بناوٹ کہ جملہ سیاروں کی توجہ کا مرکز ہے خزانوں سے معمور رزق سے بھری ہوئی، پانی سے لبالب اور مخلوق خدا کو اپنی گود میں لیے ہوئے، اس پر دن اور رات کی آمد و شد کا نظام دنیا کے قیام میں ان کو ایک خاص دخل ہے اور تعمیر حیات کے لیے جہاں سورج کی تمازت کی ضرورت ہے وہاں رات کی پنہائیاں بھی کم ضروری نہیں اور پھر اسی نظام کو قائم رکھنے کے لیے سمندروں کی تخلیق اور ان کے سینوں پر ٹنوں وزنی جہازوں کی آمد و رفت کہ انسانی زندگی کی بقاء کا اور انسانوں کے منافع کا ایک بہت بڑا سبب ہیں اور پھر اس پانی کے خزانے کو آسمانوں سے یا بادل سے نازل کرنے کا اسلوب کہ عین وقت پر اور صحیح جگہ پر اور ٹھیک اندازے کے مطابق نازل ہوتا ہے۔ پھر قطرہ قطرہ برس کر جل تھل کر دیتا ہے اور دریاؤں کو کناروں سے باہر اچھال دیتا ہے۔

اگر اسی طرح کا دریا اوپر سے انڈیل دیتا تو آبادیاں تباہ ہو کر رہ جاتیں مگر ایسا نہیں، بلکہ ایک خاص طریقے سے اترتا ہے اور زمین کی نس نس میں پہنچ کر اس کی تازگی کا سبب بنتا ہے اور ہواؤں کو خاص اندازے سے خاص موسموں میں چلاتے ہیں کہ سب چیزوں کو زندگی بخشتی ہے اور ان کی پرورش کرتی ہے۔ کبھی گرم ہو کر کبھی سرد ہو کر، کبھی پروا تو کبھی پچھوا ہے اور پانی کے اس سمندر پر مقرر فرمانا کہ جو زمین و آسمان کے درمیان بادل کی صورت میں معلق ہے اگر کچھ حصہ برسے، تو برداشت نہیں ہو سکتا۔ خدانخواستہ سارا گر پڑے تو کیا ہوتا۔ تو گویا یہ جملہ امور ایسے ہیں

کہ ایک دوسرے کے لیے مدار کی حیثیت رکھتا ہے اور سب کاموں کا اپنے صحیح وقت پر درست انداز میں ہورا ہونا ہی جہاں کی آبادی کا سبب ہے اور جو واقعی ہو رہا ہے اس میں توحید باری کی بہت بڑی دلیل موجود ہے۔ اگر متعدد رب ہوتے تو یہ نظام کسی تصادم کی نذر ہو کر تباہ ہو جاتا۔ ان استدلالات کو سمجھنے کے لیے عقل سلیم کی ضرورت ہے۔ اگر کہیں اس نظام کی کوئی کڑی کسی اور کے ہاتھ میں ہوتی تو یقینا کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی مقام پر ضرور اختلاف پیدا ہو تا جو دنیا کی ویرانی کا سبب بن جاتا۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ ہر شے اور ہر کام اپنے وقت مقررہ پر انجام پار ہا ہے[13]۔ تفسیر اسرار التنزیل ایک متنوع الموضوعات تفسیر ہے جس میں دیگر موضوعات کے ساتھ ساتھ سائنسی نکات بھی اس انداز سے بیان کیے گئے ہیں کہ قاری کا ذہن اللہ تعالیٰ کی طرف مڑ جاتا ہے۔

آسمان اور اللہ تعالیٰ کی قدرت

آسمان کو حفاظت کے ایک ذریعے کے طور پر بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کو سات حفاظتی تہوں سے بھی تعبیر فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:﴿ وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ﴾[14] (اور ہم نے ہی تمھارے اوپر سات مضبوط وجود تعمیر کیے)۔

بعض مفسرین کے مطابق یہ سات مضبوط وجود سات آسمان ہیں جبکہ بعض جدید مذہبی اسکالرز انھیں فضا کی تہیں قرار دیتے ہیں۔ ڈاکٹر ہلوک نور باقی کی تفسیر Verses from the Koran and facts of Science کے اردو ترجمے قرآنی آیات اور سائنسی حقائق کے حوالے سے محترمہ رفعت اعجاز صاحبہ اپنی تفسیر میں لکھتی ہیں کہ اس میں اللہ کی کبریائی، قدرت اور وحدانیت کو اس انداز سے ثابت کیا گیا ہے کہ اللہ وہی تو ہے جس نے انسان کے لیے زمین بنائی اور اس میں نباتات، جمادات اور حیوانات کے ڈھیر لگا دیئے کہ انسان اس سے بھرپور فائدے اٹھائے پھر اس میں دریا، سمندر، پہاڑ اور ہواؤں کا ایسا بندوبست کر دیا جو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا پھر انسان کے لیے سات آسمان بنا دیئے۔ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عقل و علم کے زور پر سائنس دانوں نے اس کی تحقیق کی ہے۔ جب آپ زمین سے یا کسی اور سیارے سے فضاء بسیط میں نظر کرتے ہیں تو آپ ان سات مقناطیسی میدانوں میں گھرے ہوئے ہوتے ہیں جو پیچھے بنتے ہوئے اور سمٹتے ہوئے فضاء بسیط کی لامتناہی تک پہنچتے ہیں۔ زمین پر سے نظام کائنات کا مشاہدہ درج ذیل طریقہ سے ہے:

ا۔ وہ فضائی میدان جو ہم اپنے شمسی نظام کے ساتھ مل کر بناتے ہیں پہلا آسمان ہے۔

۲۔ ہماری ثریا کا میدان فضائی دوسرا آسمان بناتا ہے۔ وہ مقناطیسی میدان جو ستاروں کی منور پٹی کے بالکل اندر مغز کو تشکیل دیئے ہوئے ہے ابھی حال ہی میں دریافت ہوا ہے۔

۳۔ ثریاؤں کا ہمارا مقامی جھرمٹ تیسرا آسمان بناتا ہے۔

۴۔ کائنات کا وہ مرکزی مقناطیسی میدان جو ثریاؤں کے جھرمٹوں کی یکجائی کو ظاہر کرتا ہے وہ چوتھا آسمان ہے۔

۵۔ وہ کائناتی پٹی جو نیم نجمی ریڈیائی منتبع کو ظاہر کرتی ہے۔ پانچواں آسمان ہے۔

۶۔ پھیلتی ہوئی کائنات کا وہ میدان جو پیچھے ہٹتی ہوئی ثریاؤں کو ظاہر کرتا ہے، چھٹا آسمان ہے۔

۷۔ سب سے باہر دوری والا وہ آسمان جو کائنات کی لامتناہی کا مظہر ہے، ساتواں آسمان ہے۔

محترمہ رفعت اعجاز صاحبہ ان سات آسمانوں کے بارے میں لکھ کر انھیں حتمی آسمان سمجھ بیٹھی ہیں حالانکہ جس کتاب کے اردو ترجمے سے استفادہ کر کے انھوں نے یہ معلومات لکھی ہیں اس کے مقدمے میں یہ بات لکھی ہے کہ اس کتاب میں درج تفسیر حتمی نہیں بلکہ ایک ممکنہ تفسیر کی حیثیت رکھتی ہے۔ تاہم قرآن سات آسمانوں کا محض ذکر کے ہی اس موضوع کو تشنہ نہیں چھوڑ دیتا، بلکہ کائناتی طبیعیات کے علم کے تناظر میں جدید ترین مادی تشریحات پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔ جو آئندہ متعلقہ آیات کی روشنی میں بیان کیا جائے گا۔ معذرت کے ساتھ، کچھ مفسرین نے سات آسمانوں کی تحقیق کو خلاف قانون کہا ہے، جبکہ میں اللہ کے حکم کے مطابق سائنسی تعلق رکھنے والی آیات پر تبصرہ جائز سمجھتی ہوں ہاں یہ ضرور ہے کہ تحقیقات اور نظریات بدل بھی سکتے ہیں، مگر اللہ نے جگہ جگہ دعوت دی ہے کہ غور و فکر کرو۔ کائنات کو سمجھو جب ہم اس فضاء بسیط میں گم ہو کر دیکھتے ہیں تو ہمارا ایمان اور بھی مضبوط ہو جاتا ہے اس لیے کہ پتہ چلتا ہے کہ اس کارخانہ حیات کو کوئی چلا ضرور رہا ہے اور وہ ہے اللہ حیّ القیوم تمام قدرتیں اور ہر قسم کا علم خدائے علیم و حکیم کو ہی ہے۔

حقیقت کا جاننے والا تو بس اللہ ہی ہے اور کائنات کو چلانے کا علم اور قدرت صرف اور صرف خدائے عظیم کے ہی قبضہ قدرت میں ہے اس کو وحدہ لاشریک ماننے کے لیے بیشمار نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے جو کہ مندرجہ بالا آیت میں بیان کی گئی ہے۔ انسان کی جسمانی پرورش کے لیے زمین آسمان اور سب کچھ پیدا کیا اور روحانی پرورش کے لیے قرآن اور رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیج دیا[15]۔ جبکہ مولانا مودودی سات آسمانوں کے تعین کے

بارے میں حتمی رائے قائم کرنے کے قائل نہیں ہیں ان کے مطابق سات آسمانوں کی حقیقت کیا ہے، اس کا تعیّن مشکل ہے۔

انسان ہر زمانے میں آسمان، یا بالفاظ دیگر ماورائے زمین کے متعلق اپنے مشاہدات یا قیاسات کے مطابق تصورات قائم کرتا رہا ہے، جو برابر بدلتے رہے ہیں۔ لہٰذا ان میں سے کسی تصور کو بنیاد قرار دے کر قرآن کے ان الفاظ کا مفہوم متعین کرنا صحیح نہ ہو گا۔ بس مجملاً اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ یا تو اس سے مراد یہ ہے کہ زمین سے ماوراء جس قدر کائنات ہے، اسے اللہ تعالیٰ نے سات محکم طبقوں میں تقسیم کر رکھا ہے، یا یہ کہ زمین اس کائنات کے جس حلقہ میں واقع ہے، وہ سات طبقوں پر مشتمل ہے[16]۔ آسمان اور اجرام سماویہ کے بارے میں تھانوی رحمہ اللہ کا یہ نظریہ بھی ہے کہ کواکب عظیمہ آسمان میں چلتے ہیں ایک جگہ مرکوز نہیں ہیں۔ ان کا چلنا مخصوص راستوں پر مانتے ہیں اور ان کی دائروی حرکت کو مانتے ہیں۔ اجرام فلکی کی حرکت ماننے کے ساتھ ساتھ آسمان کو غیر متحرک سمجھتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ یہ تھما ہوا ہے[17]۔

مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ نظریہ آج کی سائنس کے عین مطابق ہے اور یہ نظریہ یونانی سائنس میں بھی بعینہٖ موجود ہے۔ اس نظریے کو امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مشہور زمانہ تفسیر مفاتیح الغیب میں بھی ذکر فرمایا ہے۔ بعد کے مفسرین کرام نے اکثر سائنسی مضامین مفاتیح الغیب ہی سے لیے ہیں۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ حفاظت کے حوالے سے ایک انوکھی بات بھی ذکر کرتے ہیں جو کسی اور تفسیر میں نہیں پائی جاتی کہ آسمان کا رنگ آنکھوں کے لیے انتہائی مفید ہے۔ آسمان سے اوپر کی روشنیوں کو اس رنگ نے اوپر ہی روک رکھا ہے جس کی وجہ سے آنکھیں محفوظ ہیں[18]۔ آسمان کے بارے میں مزید ایک جگہ لکھتے ہیں کہ یہ جو کچھ نظر آتا ہے وہ نور و ظلمت کی ترکیب کی وجہ سے ہے اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ نور و ظلمت کے اثر کے بغیر آسمان کا اپنا رنگ ہو جو کہ نظر آتا ہے۔ امتزاج ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی۔ اس بات کا ایک تجربہ کے ذریعے سے ثبوت بھی دیتے ہیں، لکھتے ہیں کہ اگر دو آئینے لے کر ان میں سفید رنگ کا کپڑا دیکھا جائے تو دونوں میں الگ الگ رنگ نظر آئیں گے۔ بعض لوگوں کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ یہ رنگ اور اس کا نظر آنا حقیقی نہیں ہے[19]۔ جدید سائنس کے مطابق زمین کے گرد فضا میں سات مختلف تہیں ہیں، ان میں سے ایک تہہ اوزون[20] گیس کی ہے جو زمین سے آسمان کا رنگ نظر آتا ہے۔ جو سائنس دان اس تہہ سے اوپر گئے ہیں ان کا کہنا ہے کہ اس تہہ سے اوپر جا کر دیکھیں تو آسمان سیاہ نظر آتا

ہے۔ اس کا رنگ ایسا ہے کہ اس کو دیکھنے سے آنکھیں اکتاتی نہیں اور جتنی بار بھی دیکھتے جائیں آسمان پرانا نہیں محسوس ہوتا بلکہ ہر نظر میں نیا ہی لگتا ہے۔

یہ سقفِ کہن ہے ابھی تک نئی اسے دیکھتی یوں ہی دنیا گئی[21]

قرآن مجید میں جابجا غور و فکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ غور و فکر سے انسان حقیقت تک پہنچتا ہے۔ اس غور و فکر میں کائنات میں غور و فکر بھی شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ــــــ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰي جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾[22]

(بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات دن کے باری باری آنے جانے میں ان عقل والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔ جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے ہوئے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر غور کرتے ہیں کہ اے پروردگار آپ نے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں کیا آپ پاک ہیں پس ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لیجیے)۔

حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اہل ایمان آسمانوں اور زمین کے پیدا ہونے میں قوت عقلیہ سے کام لیتے ہیں اور ان کے پیدا ہونے میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی نشانی سمجھتے ہیں اور ان کے جملہ فوائد میں سے ایک فائدہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی پیدائش میں غور کرنے سے توحید سمجھ میں آتی ہے کہ ان کو بنانے والا کوئی ہے اور اس عقیدہ توحید کو وسیلہ بنا کر آگ کے عذاب سے بچنے کی دعا کرتے ہیں[23]"۔

مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہاں زمین و آسمان کی پیدائش کے بارے میں عقلِ سلیم استعمال کرنے کا ذکر کیا ہے اور کائنات میں غور و فکر کرنے سے عقیدہ توحید و آخرت سمجھنے کا فائدہ بیان کیا ہے۔ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے بنائی ہے جبکہ انسان کو اپنی پہچان اور عبادت کے لیے بنایا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴾[24]

(وہی ہے جس نے زمین میں جو کچھ ہے تمھارے لیے پیدا کیا پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا، چنانچہ ان کو سات آسمانوں کی شکل میں ٹھیک بنادیا اور وہ ہر چیز کا پورا علم رکھنے والا ہے)۔

اللہ تعالیٰ صرف مسلمانوں کا ہی نہیں بلکہ سب کا خالق ومالک ہے۔ ہر ایک کی ضروریات پوری کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تمام نعمتیں ہر انسان کے لیے پیدا کی ہیں۔ مولانا عبد الماجد دریا آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ خطاب عام نوع انسانی سے ہے۔ ان سے ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ تم تو خود ہی ساری کائنات ارضی کے مقصود و مطاع ہو۔ پھر یہ کیسی حماقت ہوگی کہ تم کسی اور مخلوق کو مقصود و مطاع بنالو، آیت ہر قسم کے شرک اور مخلوق پرستی کی جڑ کاٹ دینے کے لیے کافی ہے۔ اس فرش زمینی پر جو کچھ بھی ہے سب انسان ہی کے لیے ہے، نہ یہ کہ انسان کسی اور مخلوق کے لیے ہو اور مشرک انسان اس فطری اور قدرتی ترتیب کو الٹ دیتا ہے۔ خلیفۃ اللہ کی یہی شان ہونا چاہیے، سب کچھ اس کے لیے ہو اور وہ خود خدا کے لیے ہو۔ وہ جس چیز کو جس طرح بھی چاہے اپنے تصرف میں لائے۔ اور اس کا جواب وہ صرف اپنے مالک و خالق کے سامنے ہو۔ مرتبہ انسانی کا یہ شرف واحترام اسلام ہی کا قائم کیا ہوا ہے۔ مولانا عبد الماجد دریا آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ ڈارونزم کو رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ڈارون کے ترقی یافتہ بندر[25] غریب کو اس رتبہ ومقام سے کیا واسطہ! آیت میں لفظ جَمِیْعًا میں گنگامائی بھی شامل ہیں اور ننگا پربت بھی، گؤماتا بھی اور ہنومان جی بھی، حجر پرستی، شجر پرستی، دریا پرستی، کوہ پرستی، ناگ پوجا وغیرہ مخلوق پرستی اور مظاہر پرستی کی جتنی بھی صورتیں ہیں سب بے معنی اور ننگ انسانیت ہیں[26]۔ ہندوستان میں شرک کی جملہ اقسام کو بیان فرما کر مولانا عبد الماجد نے انسانیت کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا ہے کہ وہی ایک ہے جو سب کی ضروریات کو پورا کرنے والا ہے۔ مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کی تفسیر میں ایک اور بحث چھیڑی ہے کہ پہلے آسمان بنایا گیا یا زمین؟ اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ اس آیت میں آسمان کی پیدائش کو زمین کی پیدائش سے پہلے ذکر فرمایا ہے جبکہ ایک اور مقام پر زمین کی پیدائش پہلے مذکور ہے۔ مطلب یہ ہے کہ زمین اسی حالت موجودہ پر آسمان سے پہلے پیدا کی گئی اور پھر آسمان بنائے گئے تاکہ ان کے ذریعہ سے زمین پر بارش ہو اور پھر اس بارش سے وہ اثمار واشجار اور فواکہ و طیبات زمین سے نمودار ہوں جن کا مادہ قدرت ازلیہ نے زمین میں ودیعت رکھا ہے۔ پس زمین کو آسمان کے بعد بچھانے کا یہ مطلب ہے کہ آسمان بنانے کے بعد زمین سے پھل اور ہر قسم کے لذائذ وطیبات کو اگایا۔ اور زمین کو

آسمان کے بعد بچھایا یعنی اس میں سے اس کا پانی اور چارا نکالا[27]۔ خلاصہ یہ کہ زمین کے بچھانے سے ان اشجار ونباتات کا اگانا مراد ہے جو زمین میں بالقوۃ موجود ہیں۔ اسی معنی کر زمین کا بچھانا آسمان بنانے کے بعد ہوا۔ باقی زمین بحالت موجودہ آسمان سے پہلے پیدا کی گئی۔

موسمیات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت

بارش کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں پورا ایک چکر بیان فرمایا ہے کہ سمندروں سے ہوا پانی کو اٹھا کر اوپر لے جاتی ہے اور یہ پانی میں سے ہوتا ہوا دوبارہ سمندر میں پہنچ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَاۗءِ كَيْفَ يَشَاۗءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ﴾[28]

(اللہ ہی وہ ہے جو ہوائیں بھیجتا ہے، چنانچہ وہ بادل کو اٹھاتی ہیں پھر وہ اس کو جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلا دیتا ہے اور اسے کئی تہوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔ تب تم دیکھتے ہو کہ اس کے درمیان سے بارش برس رہی ہے چنانچہ جب وہ اپنے بندوں میں سے جن کو چاہتا ہے وہ بارش پہنچاتا ہے تو وہ اچانک خوشی منانے لگتے ہیں)۔

دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَٱللَّهُ ٱلَّذِيٓ أَرۡسَلَ ٱلرِّيَٰحَ فَتُثِيرُ سَحَابٗا فَسُقۡنَٰهُ إِلَىٰ بَلَدٖ مَّيِّتٖ فَأَحۡيَيۡنَا بِهِ ٱلۡأَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَاۚ كَذَٰلِكَ ٱلنُّشُورُ﴾[29]

(اور اللہ ہی ہے جو ہوائیں بھیجتا ہے پھر وہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں پھر ہم انھیں ہنکا کر ایک ایسے شہر کی طرف لے جاتے ہیں جو مردہ ہو چکا ہوتا ہے پھر ہم اس کے ذریعے مردہ زمین کو نئی زندگی عطا کرتے ہیں۔ بس اسی طرح انسانوں کی دوسری زندگی ہو گی)۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ آسمان میں بارش کے ذخیرے کی طرف اشارہ فرماتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ”آسمان پانی کو روکے ہوئے ہے ورنہ وہ زمین کو تباہ کر دیتا[30]“۔ جدید سائنس کے مطابق سمندر سے ہمہ وقت بخارات کی شکل میں پانی ہوا میں شامل ہوتا رہتا ہے اور ہر سیکنڈ میں ایک کروڑ ساٹھ لاکھ ٹن پانی سمندر سے ہوا میں شامل ہوتا ہے اور اتنی ہی مقدار میں بارش کی شکل میں واپس زمین پر آتا ہے۔ ایک گھنٹے میں ستاون ارب ساٹھ کروڑ ٹن جبکہ ایک

دن میں ۱۳ کھرب بیاسی ارب ۴۰ کروڑ ٹن پانی سمندر سے اوپر اٹھتا ہے اور ہوائیں روزانہ اس پانی کو لے کر فضا میں بلند ہوتی ہیں اور دوبارہ زمین پر بارش کی شکل میں برساتی ہیں[31]۔ اگر یہ پانی آن واحد میں زمین پر گر جائے تو ساری زمین تباہ و برباد ہو جائے، ہر طرف ایسا سیلاب آجائے جو کسی کے روکے سے نہ رک سکے[32]۔ علاوہ ازیں بارش کئی کلو میٹر اوپر سے نیچے آتی ہے، زمین کی طرف آتی ہوئی چیز لحہ بلمحہ ۹۸۱ء۹ میٹر فی سیکنڈ فی سیکنڈ اسراع کے حساب سے اپنی رفتار تیز کرتی رہتی ہے۔ اگر آسمان بارش کو تھامے ہوئے نہ ہوتا تو یہ زمین پر اتنی تیز رفتار سے گرتی کہ ہر قطرہ انسانی سر پھوڑنے کے لیے کافی ہوتا۔ صرف دو کلو میٹر بلندی سے آنے والا بارش کا قطرہ زمین پر پہنچتے وقت ۱۹۸ میٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے گرتا[33]۔ اگر یہ بارش کے بجائے اولے کا دانہ ہو تو انسانی جسم پر پڑنے والا ہر قطرہ جسم کو سوراخ کرنے کے لیے کافی ہوتا۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی مہربانی اور قدرت ہے کہ اس نے بارش آسمان میں تھامی ہوئی ہے اور ایک مناسب رفتار اور اندازے کے تحت ہی نیچے اتارتا ہے ورنہ زمین پر مٹی کا کٹاؤ اس قدر زیادہ ہو جاتا کہ زرخیزی کے ساتھ ساتھ سب کچھ بہا کر لے جاتا[34]۔ زمین پر ایک خاص اندازے کے مطابق بارش کی رفتار اور مقدار کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَأَنزَلْنَا مِنَ ٱلسَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَأَسْكَنَّٰهُ فِى ٱلْأَرْضِ وَإِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍۭ بِهِۦ لَقَٰدِرُونَ﴾[35]

(اور ہم نے آسمان سے ٹھیک اندازے کے مطابق پانی اتارا، پھر اسے زمین میں ٹھہرا دیا اور یقین رکھو ہم اسے غائب کر دینے پر بھی قادر ہیں)۔

یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ اندازے کے مطابق پانی اتارتا ہے اسی طرح خشک سالی بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر آسمان سے پانی نہ اتارے تو کوئی اور نہیں اتار سکتا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ زمین سے پانی نکالنا بند کر دے اور زمین میں نیچے کی طرف کھینچ لے تو کوئی اسے نکال نہیں سکتا۔ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ بارش پر غور کرو کس طرح پانیوں کو بلندی پہ لے جاتا ہے بادل کو ہوا اڑائے پھرتی ہے مگر جب پانی برستا ہے تو زمین بھی سنبھالنے سے قاصر نظر آتی ہے۔ کن بلندیوں سے لا کر اسے زمین کی تہوں میں پہنچا دیا اور اسے تمام نباتات کے اگنے کا سبب بنا دیا کبھی سمندر تھا پھر بادل میں نظر آیا۔ فضا میں تیرتے ہوئے قطروں کی شکل میں برسا اب نباتات اور درختوں میں جان بن کر دوڑ رہا ہے سبزے اور چارے میں موجود ہے غلے اور دانے

موتیوں کی طرح پروئے ہوئے آرہے ہیں کھجور کے پھلوں کے گچھے بن گئے اور رنگارنگ کے پھل انگور، زیتون، انار الگ بہار دینے لگے۔ پانی تو ایک ہی تھا کہاں کہاں پہنچا؟ کیا کیا بنا؟ کچے اور پکے پھل لے کر دیکھو کتنی بڑی تبدیلی سے دوچار ہو چکا ہوتا ہے۔ بھلا یہ کون کرتا ہے؟ یقیناً اللہ ہی کرتا ہے اور کوئی اس کا ثانی ہے نہ ہمسر وہ تمھاری فرض کردہ جاہلانہ باتوں سے بہت ہی بلند ہے[36]۔ ایک بارش کے پانی کے اتنے فوائد ہیں کہ انسان انھی کو نہیں گن سکتا۔ ہر فائدے کی گہرائی میں چلا جائے تو انسانی عقل دنگ رہ جائے۔ یہی پانی جب پودوں کی جڑوں کے ذریعے سے جذب ہوتا ہے اور پھر زائیلم نالیوں کے ذریعے سے تنے سے ہوتا ہوا پتوں تک جاتا ہے تو وہاں سورج کی روشنی اور حرارت کی موجودگی میں خوراک میں تبدیل ہوتا ہے۔ اگر یہ بارش نہ ہو تو پودے اپنے لیے، جانوروں اور انسانوں کے لیے خوراک نہ بنا سکیں۔ گویا کہ بارش انسانی اور حیوانی زندگی کے لیے انتہائی اہم ہے۔ اسی کے اندر خوراک چھپی ہوئی ہے جس کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ تمھارا رزق آسمانوں سے اترتا ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔

﴿وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ﴾[37]

(اور تمھارا رزق اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے آسمان میں ہے)۔

زمینی ماحول کی وہ کیفیت جس میں ہوا کا دباؤ، درجہ حرارت، ہواؤں کا رخ، ہوا میں نمی وغیرہ کا مطالعہ کیا جائے موسم کہلاتا ہے۔ یہ کیفیت مختصر وقت کے لیے ہوتی ہے۔ موسم بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے اور اس پر غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت تک پہنچا جا سکتا ہے۔ عربی میں آسمان کو سماء کہتے ہیں اسی طرح آسمان کی جانب کو بھی سمآء کہتے ہیں۔ آسمان سے بارش نازل کرنے میں ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ آسمان کی جانب سے آنے والی بارش کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں روک سکتا[38]۔ مفسر موصوف نے سائنسی اصول کہ آسمان کی طرف سے نیچے آنے والی اشیاء ایک قانون کے تحت نیچے آتی ہیں اسے اللہ تعالیٰ کا قانون فرمایا ہے کہ زمین میں یہ خاصیت اللہ تعالیٰ نے ہی رکھی ہے کہ وہ اشیاء کو اپنی طرف کھینچے۔

مفسر موصوف نے زمین کی طرف گرنے والی اشیاء کی وضاحت کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی قدرت کی طرف توجہ دلائی کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو آسمان کی جانب سے زمین کی طرف آنے والی اشیاء کو روک دے اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی کی مجال نہیں ہو سکتی کہ وہ ایسا کر سکے۔ بارش اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے مگر بارش جب آتی ہے تو اپنے ساتھ کڑک اور گرج بھی لے آتی ہے جس سے کمزور لوگ ہیبت کھا جاتے ہیں۔ جب اللہ کی طرف سے حق

کی دعوت اٹھتی ہے تو ایک طرف اگر وہ انسانوں کے لیے عظیم کامرانیوں کا امکان کھولتی ہے تو دوسری طرف اس میں کچھ وقتی اندیشے بھی دکھائی دیتے ہیں۔

ایسی صورت حال کے لیے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

﴿اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ﴾[39]

(یا پھر جیسے آسمان سے برستی ایک بارش ہو، جس میں اندھیریاں بھی ہوں اور گرج بھی اور چمک بھی۔ وہ کڑکوں کی آواز پر موت کے خوف سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں دے لیتے ہیں۔ اور اللہ نے کافروں کو گھیرے میں لے رکھا ہے)۔

پیر کرم شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ایسی کیفیت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ بارش سے مراد اسلام، اندھیروں اور بادل کی کڑک سے مراد وہ مصائب اور مشکلات ہیں جنھوں نے چاروں طرف سے اسلام کو گھیر لیا تھا اور بجلی کی روشنی سے مراد وہ فتوحات وغیرہ ہیں جو ان ناسازگار حالات میں اسلام کو حاصل ہوتی رہیں۔ جس طرح بارش مردہ زمینوں کو نئی زندگی بخش دیتی ہے اسی طرح اسلام مردہ دلوں کو نئی زندگی مرحمت فرماتا ہے۔ جیسے بارش برستے وقت گھنگھور گھٹائیں چھا جاتی ہیں اور تاریکی پھیل جاتی ہے۔ بادل کی خوفناک کڑک سے دل دہلنے لگتے ہیں۔ اسی طرح اسلام کا مینہ برستے وقت کھلی عداوتوں اور پوشیدہ سازشوں کا ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ فضا یکسر مکدر ہو گئی۔ مصیبتوں کے بادل گرجنے لگے۔ جو سچے دل سے ایمان لا چکے تھے نہ اندھیروں سے انھیں وحشت تھی نہ بادل کی کڑک سے وہ ہراساں تھے۔ مصائب کے ہجوم میں بھی وہ چٹان کی طرح ڈٹے رہے۔ لیکن وہ لوگ جو مذبذب تھے ان کی حالت عجیب ڈانواں ڈول تھی وہ اسلام کے حیات بخش چھینٹوں سے سیر اب بھی ہونا چاہتے تھے۔ لیکن مصائب کی تاریک گھٹائیں دیکھ کر مشکلات کی کڑک سن کر ان کے دل ڈوب ڈوب جایا کرتے تھے اور اسلام کا دامن چھوڑنے میں ہی انھیں اپنی سلامتی نظر آتی تھی۔ پھر اگر اسلام کو کوئی کامیابی نصیب ہوتی تو وہ اسلام کی طرف لپکنے کی تیاری کرتے ایسے میں اگر مصائب کا کوئی تند و تیز جھونکا آجاتا تو وہ بددل ہو کر رہ جاتے[40]۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی پہچان کے لیے کائنات کی مختلف چیزوں کا بیان فرمایا ہے کہ اللہ وہ ہے جس نے ان چیزوں کو بنایا جبکہ کوئی اور ان کو نہیں بنا سکتا۔ ان اشیاء میں زمین، آسمان، بارش اور دیگر شامل ہیں جن کے بارے میں سورۃ البقرہ میں ارشاد ہے:

﴿الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾[41]

(جس نے تمھارے لیے زمین کو بچھونا بنایا اور آسمان کو چھت اور آسمان سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعے تمھارے رزق کے طور پر پھل نکالے لہٰذا اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ جبکہ تم جانتے ہو)۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت مولانا عبد الماجد دریآبادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کلامی انداز میں بحث فرمائی ہے۔ ان کے اس کلامی انداز میں واضح طور پر سائنسی اشیاء کے استعمال اور ان میں غور و فکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کی ذات کی پہچان کو اصل قرار دیا گیا ہے۔ ان کے مطابق آیت کے اس ٹکڑے کی جان یا اصل روح "جَعَلَ لَكُم" ہے۔ مقصود زمین یا آسمان کی ہیئت بیان کرنا، یا ان کی ارضیاتی یا فلکیاتی ماہیت بیان کرنا کسی درجہ میں بھی نہیں۔ بیان صرف یہ کرنا ہے کہ زمین ہو یا آسمان، کوئی بھی از خود نہیں بن گئے ہیں، بلکہ جو کچھ اور جیسے بھی کچھ ہیں، اللہ کے بنائے ہوئے اور اسی قادر مطلق کے زیر فرمان ہیں کہ زمین و آسمان انسان کے لیے تخلیق ہوئے ہیں، انسان زمین و آسمان کے لیے تخلیق نہیں ہوا۔ مقصود و مطلوب انسان ہے۔ زمین و آسمان دونوں، باذن الٰہی، اسی خلیفۃ اللہ کے خادم ہیں، پھر یہ حماقت ہی ہے کہ انسان اپنے ان خادموں کے آگے جھکنے لگے اور الٹا انھیں کو معبود قرار دے کر ان کی پرستش کرنے لگے، ارض ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو انسان کے قدموں کے نیچے ہو اور سماء ہر اس بلند چیز کو کہتے ہیں جو انسان کے سر کے اوپر ہو لہٰذا ارض میں اصل تخیل پستی کا ہے اور انسان کے تعلق میں اس کا اصلی وصف پاؤں کے نیچے بچھا دینا ہے۔ فرش ایسی ٹھوس اور ہموار چیز ہوتی ہے جس پر قدم رکھا جاسکے، چلا اور بیٹھا جاسکے، لیٹا جائے۔ جس پر بیٹھنا، چلنا، قدم رکھنا ممکن ہو، یہ زمین اپنی ہیئت کے لحاظ سے گول ثابت ہو یا چپٹی، اس کا تعارف انسان و انسانیت کے سلسلہ میں اس سے بہتر ممکن نہیں کہ وہ انسان کے لیے فرش کا کام دے رہی ہے اور اس کام پر اسے اللہ ہی نے لگایا ہے چنانچہ قرآن نے یہاں اس کا یہی وصف بیان کر دیا، اسی طرح سماء میں اصل تخیل بلندی کا ہے۔

زمین جس طرح بطور فرش نیچے سے سنبھالے ہوئے ہے، آسمان اسی طرح اوپر سے ڈھانپے ہوئے ہے۔ جو محسوس و مرئی چیز اس قدر بلند ہے کہ بڑے بڑے بلند سیاروں کی بلندیاں، اونچے سے اونچے پہاڑوں کی چوٹیاں، پرندوں اور طیاروں کی بڑی سے بڑی بلند پروازیں، سب اس کے اندر سما جائیں اور سب اس سے پست ہی رہیں، اسی لیے اس کو چھت کہا گیا ہے۔ زمین کی طرح آسمان کی ہیئت سے قرآن مجید کو کوئی تعلق نہیں کہ آسمان کوئی ٹھوس مادی جسم رکھتا ہے، یا محض منتہائے نظر خلا کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس نے ان نعمتوں کو پیدا کیا وہ اسی لائق ہے کہ کسی کو اس کا

شریک نہ ٹھہرایا جائے[42]۔ اس قسم کے مسائل کا تعلق تمام تر دنیاوی تجربی علوم سے ہے قرآن مجید کو تو آسمان کا وصف بیان کرنا تھا جو کر دیا۔ قرآن کی اصلی زد آسمان کو معبود بنا لینے جیسی مشرکانہ تخیلات اور جاہلی اوہام پر پڑتی ہے نہ کہ سائنسی نظریات بیان کرنا اور سائنسی نظریات کی تائید و تردید کرنا۔ مولانا عبدالماجد دریاآبادی نے اسی بات کو سمجھانے کے لیے زمین و آسمان کی درج بالا تفسیر کی ہے۔ مزید لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کی تعلیم دی ہے کہ آسمان اور بارش سب اللہ تعالیٰ ہی کی مخلوق ہیں، نہ کوئی آکاش دیوتا، نہ کوئی اندر دیوتا بلکہ یہ کلدانیوں، مصریوں، ایرانیوں، ہندیوں، یونانیوں، رومیوں کے من گھڑت خرافات ہیں۔ آسمان اور بارش کی پرستش دنیا سے اب بھی بالکل ختم نہیں ہوئی ہے، ایشیاء، افریقہ اور امریکہ تینوں براعظموں کے کتنے ہی گوشوں میں اب بھی یہ شرک جاری ہے[43]۔

آسمان سے بارش برسنے کے حوالے سے قرآن مجید کی آیات کی سائنسی تفسیر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ لفظ سماء کے وسیع معنی کے تحت سماء سے پانی کا اترنا، بادل سے پانی کے اترنے، بخارات کے منجمد ہونے اور پھر گرمی پاکر برس پڑنے، یا اور اسی طرح کے درمیانی واسطوں کے ہرگز منافی نہیں۔ مشرک قومیں زراعت، نباتات اور پھولوں و پھلوں کے لیے الگ الگ دیوی دیوتا مانتے ہیں۔ قرآن مجید کا کام مسائل طبعیات، فلکیات، جغرافیہ طبعی وغیرہ کی تعلیم دینا نہیں، بلکہ ان عالمگیر مشرکانہ عقائد اور جاہلی تخیلات کی تردید ہے۔ کائنات میں جو کچھ ہے یا جو کچھ ہو رہا ہے وہ نہ از خود اور بے سبب ہے اور نہ کسی اور کی قوت سے ہو رہا ہے۔ تمام تر قادر مطلق ہی کی کارفرمائی کا ثمرہ ہے۔ قرآن مجید نے مخلوق کی مشرکانہ حماقتوں پر انسانوں کو تنبیہ فرمائی ہے کہ جس نے تمھیں ان نعمتوں کے ساتھ پیدا کیا، وہ اسی لائق ہے کہ کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا جائے[44]۔ مولانا عبدالماجد دریاآبادی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مطابق آسمان سے پانی کا اترنا، بادل سے پانی کے اترنے، بخارات کے منجمد ہونے اور پھر گرمی پاکر برس پڑنے، یا اور اسی طرح کے درمیانی واسطوں کے بارے میں قرآنی ارشادات صرف اور صرف اس لیے وارد ہوئے کہ ان چیزوں کی مدد سے اللہ تعالیٰ کو پہچانا جائے نہ کہ ان کی پرستش کی جائے۔

اس سے پہلی آیت[45] کی تفسیر میں مولانا ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تفسیر میں ہے کہ قرآن کریم میں عبادت سے مراد توحید ہے، کفار کو یہ حکم ہے کہ تم توحید کو اختیار کرو اور مؤمنوں کو یہ حکم ہے کہ تم توحید پر قائم رہو[46]۔ حضرت مولانا عبدالحق رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ان باتوں کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں

کہ تمھارا اور تمھارے آباد اجداد یعنی تمام تمام بنی نوع انسان کا خالق و مالک وہی ہے جو ہر وقت تمھاری پرورش کرتا ہے اور تم ایک لمحہ کے لیے بھی اس کی ربوبیت سے بے نیاز نہیں ہو سکتے، اس لیے صرف اسی کی عبادت کرو تاکہ تمھارے اندر پرہیز گاری آجائے، تم اللہ تعالیٰ کے سوا جن چیزوں کو پوجتے ہو ان میں سے کسی نے بھی نہ تو تمھیں پیدا کیا ہے اور نہ تمھارے باپ دادا کو اور نہ ہی ان باطل معبودوں نے تم میں سے کسی کی پرورش کی ہے، جس طرح تم محتاج ہو اسی طرح یہ بھی محتاج ہیں لہذا ان کو کسی امر کا مالک سمجھ کر ان کی عبادت کرنا باطل خیال ہے[47]۔

دن اور رات کا بننا

اللہ تعالیٰ نے کائنات بنا کر اس میں مکان اور زمان دو چیزیں رکھ دیں۔ مکان یعنی پوری کائنات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کے لیے زمین کو منتخب فرمایا۔ انسان کی جملہ ضروریات پورا کرنے کے لیے زمین انتہائی مناسب مقام ہے۔ زمان کے لیے سورج اور چاند کا نظام مقرر فرمادیا۔ اس کے لیے زمین، سورج اور چاند کی گردش بھی رکھ دی تاکہ حساب آسان رہے۔ سورج اور چاند میں سے ہر ایک اپنے مدار میں ایک وقت معین میں چلتا رہتا ہے۔ چنانچہ سورج اپنے مدار کو سال بھر میں قطع کرلیتا ہے اور چاند کو ایک مہینہ لگتا ہے[48]۔ سائنس کی بعض باتیں ایسی ہیں کہ ان کے لیے ثبوت کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہ ہر جگہ، ہر مذہب اور ہر مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے لیے حرفِ آخر ہوتی ہیں۔ ان میں دن، ہفتے، مہینے، سال اور دیگر اوقات کا تعین شامل ہے۔ ان اوقات میں دن اور رات بھی شامل ہیں، دن اور رات کے بننے میں اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

﴿ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۡ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۡ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾[49]

(تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور تو ہی بے جان چیز میں سے جان دار کو برآمد کرلیتا ہے اور جان دار میں سے بے جان چیز نکال لاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے)۔

دن کو رات اور رات کو دن میں بدلنے کے بارے میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

"بعض موسموں میں دن بڑا اور رات چھوٹی ہوتی ہے جبکہ اس کے مخالف موسم میں دن چھوٹا اور رات بڑی ہو جاتی ہے۔ اس طرح لمبے دن کا کافی سارا حصہ دوسرے موسم میں لمبی رات میں چلا جاتا ہے اس کو ﴿تُولِجُ ٱللَّيْلَ فِي ٱلنَّهَارِ وَتُولِجُ ٱلنَّهَارَ فِي ٱللَّيْلِ﴾ کہا گیا ہے[50]۔"

ایک اور آیت[51] میں دن اور رات کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی دو نشانیاں بتائی گئی ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دن کو روشن بنایا کہ اس میں سب چیزیں بے تکلف دکھائی دیتی ہیں۔ اختلافِ الوان، مقدار، اختلافِ مبداء و منتہاء سے برس کا شمار اور دوسرے چھوٹے بڑے حساب معلوم ہوتے ہیں[52]۔ اس مقالہ میں رنگوں کے اختلاف کی متعدد جگہ پر وضاحت موجود ہے، دن کی مقدار یعنی دن اور رات کا چھوٹا بڑا ہونا مہینہ، سال اور دیگر مقدارِ اوقات کی بھی مختلف جگہوں پر وضاحت کر دی گئی ہے۔ یہاں بھی ذکر کر دینا تحصیلِ حاصل کے مترادف ہو گا۔

سائے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت

جب روشنی کسی کثیف چیز پر پڑتی ہے تو اس پر آ کر رک جاتی ہے اور اس میں سے گزر کر آگے نہیں جا سکتی۔ ایسی صورت میں روشنی کی مخالف سمت میں زمین پر اس چیز کا سایہ بن جاتا ہے۔ روشنی کا نہ ہونا اندھیرا کہلاتا ہے اور یہی سائے کی صورت میں بھی ہوتا ہے۔ البتہ سایہ مکمل اندھیرا اس لیے نہیں ہوتا کہ سایہ دار جگہ کے آس پاس والی جگہ سے بے قاعدہ انعکاس کے ذریعے سے روشنی کی کچھ مقدار سایہ دار جگہ پر پہنچ جاتی ہے۔ قرآن مجید میں سائے کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی پہچان کرائی گئی ہے:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ﴾[53]

(کیا تم نے اپنے پروردگار کی قدرت کو نہیں دیکھا کہ وہ کس طرح سائے کو پھیلاتا ہے؟ اور اگر وہ چاہتا تو اسے ایک جگہ ٹھہرا دیتا پھر ہم نے سورج کو اس کے لیے رہنما بنا دیا ہے)۔

یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ جب سورج افق سے طلوع ہوتا ہے تو اس وقت کھڑی ہوئی چیزوں کا سایہ دور تک پھیل جاتا ہے کیونکہ طلوع کے وقت ہر چیز کا سایہ لمبا ہوتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اس کو ایک حالت پر ٹھہرایا ہوا رکھتا یعنی آفتاب کے بلند ہونے سے بھی نہ گھٹتا۔ اس طرح پر کہ اتنی دور تک آفتاب کی شعاعوں کو نہ آنے دیتا۔

اس سے یہ بات عقل میں آتی ہے کہ سورج کی شعاعوں کا زمین تک پہنچنا اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہے نہ کہ بالاضطرار ہے۔ پھر آفتاب کے افق کے قریب اور انتہائی بلندی پر پہنچنے کو اس سایہ کی درازی اور چھوٹا ہونے پر ایک ظاہری علامت مقرر کیا[54]۔

یعنی سایہ کو سورج اور وقت کے تعین کے لیے ایک نشانی بنا دیا۔ یہاں علت و معلول[55] کی سائنسی اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں کہ سبب اور مسبب کا ایک دوسرے سے تعلق و ارتباط ہے۔ اگر سبب میں تغیر پیدا ہو تو مسبب میں بھی تغیر پیدا ہو جاتا ہے۔ ریاضیاتی اصطلاحات میں ایسے تغیرات کو آزاد متغیر اور تابع متغیر کا نام دیا جاتا ہے کہ جب آزاد متغیر میں تبدیلی واقع ہو تو اس کی وجہ سے تابع متغیر میں بھی تبدیلی واقع ہو جاتی ہے۔ یہاں سورج آزاد متغیر جبکہ کسی چیز کا سایہ تابع متغیر ہے۔ سورج سائے کا محتاج نہیں بلکہ سایہ سورج کی وجہ سے ہوتا ہے اور سورج کے تابع ہے۔ جوں جوں سورج بلند ہونا شروع ہوتا ہے سایہ رفتہ رفتہ سمٹنا شروع ہو جاتا ہے اور ایک وقت میں زائل یا قریب زائل ہو جاتا ہے۔ یہ زائل ہونا محض اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہوتا ہے جس میں کسی دوسرے کی کوئی کوشش نہیں ہوتی۔ جب سورج ڈھلنا شروع ہو جاتا ہے تو سایہ پھر لمبا ہونا شروع ہو جاتا ہے اور بالآخر غروب کے بعد بالکل ختم ہو جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حواشی وحوالہ جات

[1] ۔ تھانوی، مولانا اشرف علی، بیان القرآن (ادارہ اسلامیات: لاہور، ،(722002۔

Thānwy , Mūlānā Ašrf ʿlī , **Bīān Al-ʾQurān**, (Lāhore: Idara Islāmiate, 2002), 72

[2] ۔ حقانی، مولانا عبد الحق، فتح المنان، دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، ج ۱، ص ۵۴۔

Hqānī , Mūlānā ĀʿBdāl ḥaq, **Fatḥ al-mnān**, , Dārālʿlūm Hqānīh akūrẗ ẖtk(Dār āl āloom),1:54

[3] ۔ اعوان، امیر محمد اکرم، **تفسیر اسرار التنزیل**(دار العرفان منارہ: ضلع چکوال، س۔ن)، ۱:۲۔

Āwān, **Tafsīr Asrār al-Tnzīl**, (Dār-ul-Irfan Manara: District Chakwal, S.N.), 1:2.

[4] ۔ تخلیق، زندگی دینا، رزق دینا، موت دینا۔

[5] ۔ شفیع، مفتی محمد، معارف القرآن (ادارۃ معارف: کراچی، س۔ن)، ۱:۶۵۔

Šhafī, Mufti Muhmmad, **Mʿārf A l-Qrʾān** (IDārā Mārif Karachi) 1:65

[6] ۔ تھانوی، بیان القرآن، ۲۹۱۔

Thānwy , **Bīān Al-ʾQurān** , p:291

[7] ۔ تھانوی، بیان القرآن، ۴۵۰۔

Thānwy , **Bīān Al-ʾQurān** , p:450

[8]۔ تھانوی، بیان القرآن،۲۹۱، ۲۹۲۔

Thānwy , **Bīān Al-ʾQurān** , p:291,292

[9]۔ تھانوی، بیان القرآن، ص۶۳۹۔

Thānwy , **Bīān Al-ʾQurān** , p:239

[10]۔ اسے نیوٹن کا قانون تجاذب کہتے ہیں۔

[11]۔ تھانوی، بیان القرآن، ۶۴۰۔

Thānwy **, Bīān Al-ʾQurān** , p:640

[12]۔ سورۃ البقرہ۲:۱۶۴۔

Āl Baqaraẗ 2:162

[13]۔ اعوان، **تفسیر اسرار التنزیل**، ۱:۱۶۲۔

Āwān, **Tafsīr Asrār al-Tnzīl**, 1:162-

[14]۔ النباء۱۲:۷۸۔

Al-Nabā 78:12

[15]۔ **تفسیر مفہوم القرآن** (دارالسلام: لاہور، س،ن)، ۱:۶۲۔

Tafsīr Mfhūm Al-Qrʾan (Dār āl Sālām)1:62

[16]۔ مودوی، مولانا، تفہیم القرآن (ادارہ خدام القرآن: لاہور، س۔ن)، ۱:۳۶۔

Māudodi,Molana ,**Tfhīm Al-Qrʾan** (IDār Khudam Al-ʾQurān) 1:36

[17]۔ تھانوی، **بیان القرآن**، ۱۰۰۔

Thānwy **, Bīān Al-ʾQurān** , p:100

[18]۔ تھانوی، **بیان القرآن**، ص۱۰۱۔

Thānwy **, Bīān Al-ʾQurān** , p:101

[19]۔ تھانوی، **بیان القرآن**، ص۴۹۹۔

Thānwy **, Bīān Al-ʾQurān** , p:499

[20]۔ آکسیجن گیس کے تین ایٹموں پر مشتمل مالیکیول کو اوزون کا نام دیا گیا ہے۔ یہ گیس سورج کی نقصان دہ زیریں سرخ شعاعوں کو زمین تک پہنچنے میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ زیریں سرخ شعاعیں اگر ننگی جلد پر پڑ جائیں تو جلد کے کینسر کا باعث بنتی ہیں۔

[21]۔ میرٹھی، اسمٰعیل میرٹھی، **کلیات اسمٰعیل** (اکادمی ادبیات: اسلام آباد)، ۲۰۱۲ء، ۵۔

Mirāthi, Ismāil , Qulyāt Ismāil (Ādbiyat Islāmābād),2012, 5

[22]۔ آل عمران ۳: ۱۹۰، ۱۹۱۔

al ʿImrān, 3: 190-191

[23]۔ تھانوی، **بیان القرآن**، ۱۵۴۔

Thānwy , Mūlānā Ašrf ʿlī , Bīān Al-ʾQurān,p:152

[24]۔ سورۃ البقرہ۲:۲۹۔

Sūrẗ Āl Baqaraẗ 2:29

[25]۔ڈارون نے تین کتابیں تحریر کی ہیں جن کے نام درج ذیل ہیں:

1. Origin of Man, 2. Decent of Man, 3. Origin of Spicies

ان تینوں کتابوں میں سے کسی ایک میں بھی یہ بات نہیں لکھی ہوئی کہ انسان بندر کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ یہ بات ڈارون کے ماننے والوں میں سے کسی نے کہی تھی کہ انسان بِنُمان بندر کی اولاد ہے کیونکہ بندر کی یہ قسم انسان سے ملتی جلتی ہے۔ڈارون کے مخالفین نے یہ بات ڈارون سے منسوب کر دی اور مشہور ہو گئی۔

[26]۔ دریابادی، مولانا عبد الماجد، **تفسیر ماجدی** (مکتبہ نشریات اسلام: کراچی) ۸۴۔

Mājdi,Molānā Dāryā ābādi , Tafsīr Mājdi (Makātābā Nashriāt E islām Karachi) 86

[27]۔ کاندھلوی، محمد ادریس، **معارف القرآن** (مکتبہ اشرفیہ: لاہور) ۱:۱۱۴۔

Kāndhlwy, Muḥāmād Idrīs , Mʿārf Al-qrʾan (Māktābā āshrāfiā Lahore) 1:112

[28]۔ سورۃ الروم ۳۰:۴۸۔

Sūrẗ Al-rūm 28:30

[29]۔ سورۃ فاطر ۳۵:۹۔

Sūrẗ fāṭr 35:9

[30]۔ تھانوی، **بیان القرآن**، ۱۰۰۔

Thānwy , Mūlānā Ašrf ʿlī , Bīān Al-ʾQurān,p:100

[31]. The miracles of Quran, P 131.

[32]. Common sense.

[33]۔علم طبیعیات کی شاخ میکانیات کی تقریباً ہر کتاب میں اس کا حوالہ موجود ہے اور ہر انسان خود بھی یہ تجربہ کر سکتا ہے کہ اوپر سے نیچے گرنے والی چیزوں کی رفتار ایک سیکنڈ میں ۹ء۸۱ میٹر ہوتی ہے۔ یہی چیز جب دو کلو میٹر اوپر سے گرائی جائے تو زمین پر پہنچتے ہوئے اس کی رفتار بڑھتے بڑھتے ۱۹۸ میٹر فی سیکنڈ ہو جاتی ہے۔ جو بات تجربہ سے معلوم کی جا سکے اس کا حوالہ مانگنا ایسے ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ ثابت کرو کہ سورج مشرق سے نکلتا ہے۔

[34]۔ یہ common sense کی بات ہے اور ایسی باتوں کا حوالہ مانگنا ایسا ہی ہے جیسے یہ پوچھا جائے کہ یہ کہاں لکھا ہے کہ دھوپ سورج سے آتی ہے۔

[35]۔ سورۃ المؤمنون ۲۳:۱۸۔

Sūrẗ Al-muʾmnūn 23:18

[36]۔ اعوان، **تفسیر اسرار التنزیل**، ۲:۵۹۴۔

Ākrām Āmeer Mūḥammad , Tafsīr Asrār al-Tnzīl, 2:594

[37]۔ سورۃ الذاریات ۵۱:۲۲۔

Sūrẗ Al-Zārīāt 51:22

[38]۔ کاندھلوی، **معارف القرآن**، ۱:۹۲۔

Kāndhlwy, Muḥāmād Idrīs , Mʿārf Al-qrʾan 1:92

[39]۔ سورۃ البقرہ ۲:۱۹۔

Sūrẗ Āl Baqaraẗ 2:19

[40]۔ الازہری، پیر کرم شاہ، **ضیاء القرآن** (ضیاء القرآن پبلیکیشنز: گنج بخش روڈ لاہور)، ۱:۳۸۔
Al-āzhri , Pīr krm šhāh**, Dīā᾿ Al-qr᾿ān** (Dīā᾿ Al-Qurān Publīkīšnz, Gnğ bẖš rūd lāhūr (1:38)

[41]۔ سورۃ البقرہ ۲:۲۲۔

Sūrẗ Āl Baqaraẗ 2:22

[42]۔ دریا آبادی، **تفسیر ماجدی**، ۱:۲۹۔

Dāryā ābādi , **Tafsīr Mājdi** (1:29)

[43]۔ دریا آبادی، **تفسیر ماجدی**، ص ۳۰۔

Dāryā ābādi , **Tafsīr Mājdi** , 30

[44]۔ دریا آبادی، **تفسیر ماجدی**، ص ۳۰۔

Dāryā ābādi , **Tafsīr Mājdi** , 30

[45]۔ سورۃ البقرہ ۲:۲۱۔

Sūrẗ Āl Baqaraẗ 2:22

[46]۔ پانی پتی، قاضی ثناالله، **تفسیر مظہری** (مکتبہ نشریات اسلام: کراچی س۔ن) ۱:۳۵۔
Pāni Pāti ,Qāzi, Sānā ullāh,**Tafsīr Mẓhrī** (Māktābā Nāshriāt E Islām Karachi) 1:35

[47]۔ حقانی، **فتح المنان**، ج ۱، ص ۳۳۴۔

Hāqāni, Fātḥ A l-Mnān,1:332

[48]۔ تھانوی، **بیان القرآن**، ۴۹۸۔

Thānwy**, Bīān Al-᾿Qurān**,p:100

[49]۔ سورۃ آل عمران ۳:۲۷۔

Sūrẗ Al ʿImrān 3:28

[50]۔ تھانوی، **بیان القرآن**، ۱۰۷۔

Thānwy**, Bīān Al-᾿Qurān**,p:107

[51]۔ سورۃ الاسراء ۱۷:۱۲۔

Sūrẗ Al-āsrā᾿17:12

[52]۔ تھانوی، **بیان القرآن**، ۵۶۴۔

Thānwy**, Bīān Al-᾿Qurān**,p:526

[53]۔ سورۃ الفرقان ۲۵:۴۵۔

Sūrẗ Al-frqān 25:45

[54]۔ تھانوی، **بیان القرآن**، ۷۱۸۔

Thānwy**, Bīān Al-᾿Qurān**,p:718

[55]۔ علت و معلول کے مطابق کائنات میں ہر ایک چیز کے ہر دوسری چیز پر اثرات پڑتے ہیں۔ جو چیز اثر ڈالتی ہے وہ آزاد متغیر جبکہ جس چیز پر اثر پڑتا ہے وہ تابع متغیر کہلاتی ہے۔